”جب زندگی شروع ہوگی“

گمراہ کن تصورات کی تبلیغ، شاطرانہ اسلوب میں

پچھلے دنوں کئی سادہ لوح دوستوں نے ابویحییٰ کی تحریر کردہ کتاب ”جب زندگی شروع ہوگی“ کے مطالعہ کی طرف متوجہ کیا۔ اُن کی رائے تھی کہ مصنف نے میدانِ حشر کا منظر متعلقہ آیاتِ قرآنی اور احادیثِ مبارکہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے بڑے دلچسپ انداز میں ناول کی صورت میں پیش کیا ہے۔ میدانِ حشر اور جہنم میں مختلف جرائم کا ارتکاب کرنے والوں پر ہولناک عذابوں کا ذکر بلاشبہ ہلا دینے والے پیرائے میں کیا گیا ہے۔ ناول کا یہ اسلوب سادہ لوح لوگوں کے لئے انتہائی متاثر کن ہے۔ کتاب کا مطالعہ کیا اور آغاز ہی سے محسوس ہوگیا کہ حق کے پردے میں باطل تصورات کی تبلیغ بڑی مہارت کے ساتھ کی گئی ہے۔ بڑے غیر محسوس طریقہ پر گمراہ کن تصورات ذہنوں میں ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اِس کوشش کے مختلف مظاہر حسبِ ذیل ہیں:

1- اپنی شناخت کو چھپانا:

کتاب کے مصنف نے قارئین پر اپنی اصل شناخت ظاہر نہیں کی۔ موصوف کا نام ہے ریحان احمد یوسفی۔ موصوف جاوید احمد غامدی صاحب جیسے ”روشن خیال“ دانشور کے فعال ساتھی ہیں اور اُنہوں نے کتاب میں جاوید احمد غامدی صاحب کے گمراہی پر مبنی تصورات کو شاطرانہ اسلوب میں بیان کیا گیا ہے۔ اُنہیں شاید اندیشہ تھا کہ اگر اپنا اصل نام ظاہر کر دیا تو جاوید احمد غامدی صاحب سے تعلق کی وجہ سے اُن کی کتاب کو قبولِ عام حاصل نہ ہوگا۔ لہٰذا مصنف نے ابویحییٰ کے نام سے کتاب تحریر کی ہے۔ یہ طرزِ عمل دیانت کے مسلمہ اصولوں کے خلاف ہے۔

2- سُپر پاور کی غلامی پر راضی رہنے کا درس:

کتاب میں عبداللہ نامی کردار کی زبانی میدانِ حشر میں برپا ہونے والے مختلف واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ عبداللہ کو ایک ایسے نیک سیرت کردار کے طور پر پیش کیا گیا ہے جو مقربین میں سے ہے اور اُس کی بخشش بغیر حساب کتاب کے ابتداء ہی میں ہو چکی ہے۔ دنیا میں اُس کے ساتھ موجود نیکی کا فرشتہ ”صالح“ اُسے میدانِ حشر میں مختلف مقامات پر لے جا رہا ہے۔ اس دوران ایک موقع پر عبداللہ بیان کرتا ہے:

”ہم چلتے ہوئے ایک شاندار خیمے کے قریب پہنچے۔ اِس کے دروازے پر ایک انتہائی باوقار اور پرنور چہرے والے ایک صاحب کھڑے تھے۔ یہ میرے لیے بالکل اجنبی تھے۔ قریب پہنچ کر صالح نے اُن سے میرا تعارف کرایا:

یہ عبداللہ ہیں۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی امت کے آخری دور کے امتی۔ اور آپ نحور ہیں، یرمیاہ نبی کے قریبی ساتھی۔ نحور' آپ انہی سے ملنا چاہ رہے تھے نا؟

یہ ایک عظیم پیغمبر کے صحابی کا مجھ سے تعارف بھی تھا اور یہ وضاحت بھی کہ میں یہاں کیوں موجود ہوں۔

میں نے نحور سے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا، لیکن اُنہوں نے پُرجوش انداز میں مجھے اپنے گلے سے لگالیا۔ میں نے اِسی حال میں اُن سے کہا:

”یرمیاہ نبی سے ملاقات کا شرف تو مجھے ابھی تک حاصل نہیں ہوا لیکن آپ سے ملنا بھی کسی اعزاز سے کم نہیں ہے۔ یرمیاہ نبی کے حالات اور زندگی میں میرے لیے ہمیشہ بڑی رہنمائی رہی۔ مجھے ان سے ملنے کا بہت اشتیاق ہے۔“

یہ کہتے ہوئے میرے ذہن میں بنی اسرائیل کے اس عظیم پیغمبر کی زندگی گھوم رہی تھی۔ چھٹی صدی قبلِ مسیح میں بنی اسرائیل بدترین اخلاقی انحراف کا شکار تھے اور اسی بنا پر اپنے زمانے کی سپر پاور عراق کے حکمران بخت نصر کے ہاتھوں سیاسی مغلوبیت کے خدائی عذاب میں مبتلا ہو چکے تھے۔ مگر ان کے لیڈروں نے قوم کی اصلاح کرنے کے بجائے ان کے ہاں سیاسی غلبے کی سوچ عام کر دی۔ یرمیاہ نے بنی اسرائیل کو ان کی اخلاقی اور ایمانی گمراہیوں پر متنبہ کیا اور انہیں سمجھایا کہ وقت کی سپر پاور سے ٹکرانے کے بجائے اپنی اصلاح کریں۔ مگر اُن کی قوم نے اپنی اصلاح کرنے کے بجائے اُنہیں کنویں میں الٹا لٹکا دیا اور پھر بخت نصر کے خلاف بغاوت کر دی۔ اس کے بعد بخت نصر عذاب الٰہی بن کر نازل ہوا اور اس نے یروشلم (بیت المقدس) کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ چھ لاکھ یہودی قتل ہوئے اور چھ لاکھ کو وہ غلام بنا کر اپنے ساتھ لے گیا۔“ (صفحات: 60 تا 62)

غور کیجئے کہ عبداللہ کو ایک ایسے نبیؑ سے ملنے کا اشتیاق ہے جن کا قرآنِ حکیم میں ذکر تک نہیں اور نہ ہی کسی معروف روایتِ حدیث میں

تذکرہ ہے۔عبداللہ کو اِن نبی کا یہ وصف پسند آیا ہے کہ اُنہوں نے قوم کو خانقاہی طرزِ عمل اختیار کرنے کی تلقین کے طور پر سُپر پاور سے ٹکرانے کے بجائے ذاتی اصلاح کی طرف متوجہ کیا۔سُپر پاور کی غلامی سے نجات حاصل کرنے والوں کی غیر تمندانہ جدوجہد کو سیاسی غلبہ کی کاوش قرار دیا۔عبداللہ کو حضرت موسیٰ سے ملنے کا شوق پیدا نہیں ہوا جن کا قرآنِ حکیم میں بار بار ذکر آیا ہے اور اُنہیں نبوت پر سرفراز ہوتے ہی وقت کی سپر پاور فرعون سے ٹکرانے کا حکم دیا گیا تھا۔عبداللہ کی حضرت ابراہیمؑ سے ملاقات کی خواہش نہ تھی کہ جن کے اسوہ کی پیروی کا قرآن نے حکم دیا ہے۔جنہوں نے نمرود کے بھرے دربار میں کلمۂ حق کہہ کر اُس کی جھوٹی خدائی کا انکار کیا اور بت پرستی کے پیشواؤں سے سرِ عام تصادم مول لیا۔ بلاشبہ اُن پیغمبروں نے قوموں کو ذاتی اصلاح کی دعوت بھی دی لیکن اِس کے ساتھ ساتھ وقت کی ظالم قوتوں کے خلاف کلمۂ جہاد بھی بلند کیا۔قوم کے دلوں میں ظالموں کے خلاف نفرت کی آگ بھڑکاتے رہے اور مناسب قوت فراہم ہوتے ہی میدان میں آکر ظالم قوتوں سے ٹکرا گئے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ كَاَيِّنۡ مِّنۡ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوۡنَ كَثِيۡرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوۡا لِمَاۤ اَصَابَهُمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوۡا وَمَا اسۡتَكَانُوۡا ‌ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيۡنَ ﴿ (آلِ عمران:۱۴۶)

''اور کتنے ہی نبی ایسے گزرے ہیں کہ ان کے ساتھ مل کر جنگ کی ہے کئی اللہ والوں نے۔ پھر نہ تو انہوں نے بزدلی دکھائی اس پر جو کچھ بھی (مصیبتیں) آئیں ان پر اللہ کی راہ میں نہ ہی وہ کمزور پڑے اور نہ ہی وہ باطل کے سامنے دبے اور اللہ ایسے صبر کرنیوالوں کو پسند کرتا ہے''۔

ایک اور موقع پر عبداللہ بیان کرتا ہے:

''جس وقت حضرت یرمیاہ کی بعثت ہوئی بنی اسرائیل اس دور کی عظیم سپر پاور عراق کی آشوری سلطنت اور اس کے حکمران بخت نصر کے باج گزار تھے۔ اس دور میں بنی اسرائیل کا اخلاقی زوال اپنی آخری حدوں کو چھو رہا تھا۔ان میں شرک عام تھا۔زنا معمولی بات تھی۔اپنے ہم مذہبوں کے ساتھ یہ لوگ بدترین ظلم وستم کا معاملہ کرتے۔سودخوری اور غلامی کی لعنتیں عام تھیں۔ایک طرف اخلاقی پستی کا یہ عالم تھا اور دوسری طرف سیاسی امنگیں عروج پر تھیں۔ ہر طرف بخت نصر کے خلاف نفرت کا طوفان اٹھایا جارہا تھا۔ان کے مذہبی اور سیاسی لیڈروں کی ساری توجہ اس بات کی طرف تھی کہ اس سیاسی محکومی سے نجات مل جائے۔قوم کی اصلاح، اخلاقی تعمیر، ایمانی قوت جیسی چیزیں کہیں زیرِ بحث نہ تھیں۔ مذہب کے نام پر ظواہر کا زور تھا۔ایمان واخلاق اور عمل صالح کی کوئی وقعت نہ تھی۔

ایسے میں حضرت یرمیاہ اٹھے اور انہوں نے پوری قوت کے ساتھ ایمان و اخلاق کی صدا بلند کی۔انہوں نے اہل مذہب اور اہل سیاست کو ان کے رویے پر تنقید کا نشانہ بنایا۔ان کی اخلاقی کمزوریوں، شرک اور دیگر جرائم پر انہیں تنبیہ کی۔اس کے ساتھ ساتھ آپ نے اپنی قوم کو سختی سے اس بات پر متنبہ کیا کہ وہ بخت نصر کے خلاف بغاوت کا خیال دل سے نکال دیں۔انہیں سمجھایا کہ جذبات میں آکر انہوں نے اگر یہ حماقت کی تو بخت نصر قہرِ الٰہی بن کر ان پر نازل ہوجائے گا۔مگر ان کی قوم باز نہ آئی۔اس نے اُنہیں کنویں میں الٹا لٹکا دیا اور پھر جیل میں ڈال دیا۔اِس کے ساتھ انہوں نے بخت نصر کے خلاف بغاوت کی۔جس کے نتیجے میں بخت نصر نے حملہ کیا۔ چھ لاکھ یہودیوں کو اس نے قتل کیا اور چھ لاکھ کو غلام بنا کر ساتھ لے گیا۔یروشلم کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی۔پورا شہر خاک وخون میں بدل گیا۔قرآنِ مجید نے اس واقعے کو بیان کیا اور یہ بتایا کہ حملہ آور لوگ دراصل قہرِ الٰہی تھے کیونکہ بنی اسرائیل نے زمین پر فساد مچا رکھا تھا۔

میں اسی سوچ میں تھا کہ صالح نے غالباً میرے خیالات پڑھ کر کہا:

ٹھیک یہی کام تمہارے زمانے میں تمہاری قوم کر رہی تھی۔وہ علم، تعلیم، ایمان، اخلاق میں بدترین پستی کا شکار تھی، مگر اس کے نام نہاد رہنما اسے یہی سمجھاتے رہے کہ ساری خرابی وقت کی سپر پاورز اور ان کی سازشوں کی وجہ سے ہے۔ایمان و اخلاق کی اصلاح کے بجائے سیاسی غلبہ اور اقتدار ہی ان کی منزل بن گیا۔ملاوٹ، کرپشن، ناجائز منافع خوری، منافقت اور شرک قوم کے اصل مسائل تھے۔ختم نبوت کے بعد ان کی ذمہ داری تھی کہ وہ دنیا بھر میں اسلام کا پیغام پہنچاتے، مگر ان لوگوں نے قوم کی اصلاح اور غیر مسلموں کو اسلام کا پیغام پہنچانے کے بجائے غیر مسلموں سے نفرت کو اپنا وطیرہ بنالیا۔ان کے خلاف جنگ وجدل کا محاذ کھول دیا۔ٹھیک اسی طرح جیسے بنی اسرائیل نے اپنی اصلاح کرنے کے بجائے بخت نصر کے خلاف محاذ کھولا تھا۔ چنانچہ بنی

اسرائیل کی طرح انہوں نے بھی اس عمل کا برا نتیجہ بھگت لیا۔'' (صفحات: 197 تا 199)

جو رہنما قوم کو ذاتی اصلاح کی طرف متوجہ نہیں کر رہے وہ ایک انتہا پر ہیں لیکن جو دانشور صرف ذاتی اصلاح ہی کی دعوت دیتے رہتے ہیں وہ دوسری انتہا پر ہیں۔ اعتدال کی راہ تو یہ ہے کہ لوگوں کو ذاتی اصلاح کی طرف متوجہ کیا جائے لیکن ان کے دل میں جبر اور استحصال کرنے والے ظالموں کے خلاف نفرت کو پکایا جائے۔ پھر جیسے ہی مناسب ایمانی و مادی قوت فراہم ہو جائے ظالموں اور سرکشوں کو بزور قوت ظلم اور زیادتی سے روک دیا جائے۔ یہی قرآن کی تعلیم اور نبی اکرم ﷺ کی سنت ہے۔ مکی دور میں حکم تھا کہ ہاتھوں کو بندھا رکھو، حق کی دعوت دیتے رہو اور برائی کا جواب اچھائی سے دو۔ نماز اور زکوٰۃ کی عبادات ادا کر کے ذاتی اصلاح کرتے رہو۔ مدنی دور میں پہلے ظالموں کے خلاف اقدام کی اجازت دی گئی اور بعد میں قتال کرنے کا حکم دے دیا گیا۔

3- شرعی پردے کی نفی:

آگے چل کر صالح میدان حشر میں عبداللہ کو دنیا کی زندگی میں ہونے والے ایک واقعہ کا منظر دکھاتا ہے۔ اس منظر میں عبداللہ شائستہ نامی ایک لڑکی کو دیکھتا ہے جو اپنے خاندان کی واحد کفیل ہے۔ وہ دونوں چھوٹی بہنوں کی شادی کا انتظام کرتی ہے اور خود والدین کی خدمت کے لئے شادی نہیں کرتی۔ عبداللہ کی تحریر کردہ کتابوں سے اُسے مشکل حالات میں بھی صبر و رضا کی کیفیت حاصل ہوئی ہے۔ اب ذرا میدانِ حشر میں عبداللہ کی شائستہ سے ملاقات کی داستان پڑھیے:

''میں اسی سوچ میں تھا کہ نحور نے میری بات کا جواب دیتے ہوئے کہا:

''ان شاء اللہ ان سے بھی جلد ملاقات ہو جائے گی۔ مگر سر دست تو میں آپ کو کسی اور سے ملوانا چاہتا ہوں۔'' یہ کہتے ہوئے وہ مجھ سے الگ ہوئے اور خیمے کی طرف رخ کر کے کسی کو آواز دی:

''ذرا باہر آنا! دیکھو تو تم سے کون ملنے آیا ہے؟''

نحور کی آواز کے ساتھ ہی ایک لڑکی خیمے سے نکل کر ان کے برابر آ کھڑی ہوئی۔ یہ لڑکی اپنے حلیے سے کوئی شہزادی اور شکل و صورت میں پرستان کی کوئی پری لگ رہی تھی۔ اس لڑکی نے گردن جھکا کر مجھے سلام کیا اور مجھے مخاطب کر کے کہا:

''آپ مجھے نہیں جانتے۔ مگر میرے لیے آپ میرے استاد ہیں اور اس رشتے سے میں آپ کی روحانی اولاد ہوں۔ میرا نام شائستہ ہے۔ گمراہی کے اندھیروں میں خدا کے سچے دین کی روشنی میں نے آپ کے ذریعے سے پائی تھی۔ خدا سے میرا تعارف آپ نے کرایا تھا۔ خدا کے ساتھ انسان کا اصل تعلق کیا ہونا چاہیے، یہ میں نے آپ ہی سے سیکھا تھا۔ آج دیکھیے! خدا نے مجھ پر احسان کیا اور اب میں ایک عظیم نبی کے صحابی کی بیوی بننے جا رہی ہوں۔''

تھوڑی دیر قبل صالح نے اسی لڑکی کو مجھے دکھایا تھا۔ مگر اب اس کی حالت میں جو انقلاب آ چکا تھا اسے دیکھ کر میں دنگ رہ گیا۔ لیکن اسے اس طرح دیکھ کر مجھے جتنی خوشی ہوئی، اس کو میں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ میں نے شائستہ سے کہا:

''میری طرف سے آپ دونوں دلی مبارکباد قبول کیجیے۔ امید ہے کہ آپ مجھے اپنی شادی میں بھی یاد رکھیں گی۔''

''کیوں نہیں۔ آپ کو تو بلانے کا مقصد ہی نحور کو یہ بتانا تھا کہ میرے میکے والے کوئی معمولی لوگ نہیں ہیں''، اُس نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

''پھر تو آپ نے غلط شخص کا انتخاب کیا ہے۔''

میں نے فوراً جواب دیا۔ پھر اپنا رخ نحور کی طرف کرتے ہوئے کہا:

''لیکن شائستہ کی بات بالکل درست ہے۔ ان کے میکے کے لوگ معمولی نہیں، اور ہو بھی کیسے سکتے ہیں۔ شائستہ امت محمدیہ میں سے ہیں۔ نبی عربی کی نسبت کے بعد ان کا میکہ معمولی نہیں رہا۔'' (صفحات: 62، 63)

نوٹ کیجیے کہ شادی سے پہلے ہی یرمیاہ نبیؑ کے صحابی نحور اور شائستہ خیمے میں ایک ساتھ موجود ہیں۔ پھر شائستہ کس طرح شوخی کے ساتھ عبداللہ کے ساتھ ہنس کر گفتگو کر رہی ہے اور عبداللہ بھی جواب میں فقرہ چست کر رہا ہے۔ معاذ اللہ! کیا یہ ہے جنتی لوگوں کا طرزِ عمل؟۔

شائستہ! نحور کے ساتھ صرف خیمہ ہی میں نہیں رہتی بلکہ دونوں شادی سے قبل میدانِ حشر میں گھومنے پھرنے میں بھی مشغول ہیں۔ عبداللہ بیان کرتا ہے:

''ہم حشر کے میدان کی سمت جا رہے تھے کہ راستے میں ایک جگہ نحور اور شائستہ نظر آئے۔ اُنہیں دیکھ کر میری حسِ مزاح بیدار ہوگئی۔ میں نے صالح سے کہا: آ ؤ ذرا چلتے چلتے انہیں تنگ کرتے جائیں۔

ان دونوں کا رخ جھیل کی طرف تھا اس لیے وہ ہمیں قریب آتے ہوئے دیکھ نہیں سکے۔ میں شائستہ کی سمت سے اس کے قریب پہنچا اور زور سے کہا:

''اے لڑکی! چلو ہمارے ساتھ۔ ہم تمہیں ایک نامحرم مرد کے ساتھ گھومنے پھرنے کے جرم میں گرفتار کرتے ہیں۔''

شائستہ میری بلند آواز اور سخت لہجے سے ایک دم گھبرا کر پلٹی۔ تاہم نحور پر میری بات کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ انہوں نے اطمینان کے ساتھ مجھے دیکھا اور کہا:

پھر تو مجھے بھی گرفتار کر لیجیے۔ میں بھی شریکِ جرم ہوں۔، یہ کہتے ہوئے انہوں نے دونوں ہاتھ آگے پھیلا دیے۔ پھر ہنستے ہوئے کہا:

مگر مسئلہ یہ ہے کہ یہاں نہ جیل ہے اور نہ سزا دینے کی جگہ۔

''جیل تو یہاں نہیں ہے، مگر سزا ضرور مل سکتی ہے۔ وہ یہ کہ مغویہ ہی کے ساتھ آپ کی شادی کرادی جائے۔ ساری زندگی ایک ہی خاتون کے ساتھ رہنا وہ بھی جنت میں بڑی سزا ہے۔''

اس پر نحور نے ایک زوردار قہقہہ بلند کیا۔ شائستہ جو میرے ابتدائی حملے کے بعد سنبھل چکی تھی، ہنستے ہوئے بولی:

''ویسے تو آپ لوگ توحید کے بڑے قائل ہیں، مگر اس معاملے میں آپ لوگوں کی سوچ اتنی مشرکانہ کیوں ہوجاتی ہے؟''

نحور نے چہرے پر مصنوعی سنجیدگی لاتے ہوئے کہا:

''آپ کو معلوم ہے عبداللہ! مشرکوں کا انجام جہنم ہوتا ہے۔ اس لیے آئندہ آپ شائستہ کے سامنے ایسی مشرکانہ گفتگو مت کیجیے گا ورنہ آپ کی خیر نہیں۔''

صالح نے اس گفتگو میں مداخلت کرتے ہوئے کہا:

''شائستہ! آپ اطمینان رکھیں۔ یہ عملاً موحد ہیں۔ ان کی ایک ہی بیگم ہیں۔''

اس پر نحور مسکراتے ہوئے بولے:

''یہ ان کا کارنامہ نہیں، ان کے زمانے میں یہ مجبوری تھی۔ خیر چھوڑیں اسے یہ بتائیے کہ آپ کی بیگم صاحبہ ہیں کہاں؟''

میں ابھی بھی سنجیدگی اختیار کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ میں نے ان کی طرف شرارت آمیز انداز میں دیکھتے ہوئے کہا:

''ہمیں بعض دوسرے بزرگوں کی طرح بیگمات کے ساتھ گھومنے کی فراغت میسر نہیں۔''

لیکن دوسروں کی فراغت کو نظر لگانے کی فرصت ضرور میسر ہے''، نحور نے اسی لب و لہجے میں ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

''ہم خوش ہونے والے لوگ ہیں، نظر لگانے والے ہرگز نہیں۔''

''مگر آپ نے مجھے تو نظر لگادی ہے۔'' پھر مزید وضاحت کرتے ہوئے بولے:

''میرے پیغمبر یرمیاہ نبی کو شہادت دینے کے لیے بلا لیا گیا ہے۔ میں چونکہ ان کا قریبی ساتھی تھا، اس لیے میرا وہاں موجود ہونا ضروری ہے۔''

یہ آخری بات کہتے ہوئے ان کے چہرے پر سنجیدگی آ گئی تھی۔

''آپ جا رہے ہیں؟''، شائستہ نے پوچھا۔

''ہاں۔ تم اپنے گھر والوں کے پاس چلی جاؤ۔ میں کچھ دیر تک ان معاملات میں مصروف رہوں گا۔ عبداللہ نے مجھے نظر جو لگادی ہے۔''

یہ کہہ کر وہ ان فرشتوں کے ساتھ روانہ ہوگئے جو انہیں لینے آئے تھے۔''(صفحات: 194 تا 196)

ملاحظہ فرمائیے کہ تحریر کے اس حصہ میں مصنف نے عورتوں کے نامحرم مردوں کے ساتھ میل ملاپ کی ممانعت کا کس طرح مذاق اُڑایا ہے۔ پھر شائستہ نحور اور عبداللہ آپس میں نامحرم ہونے کے باوجود کس طرح بے تکلفی سے ہنسی مذاق کر رہے ہیں۔ اور تو اور فرشتہ صالح بھی اس مذاق میں برابر کا شریک ہے۔

ناول میں تحریر ہے کہ عبداللہ کا بیٹا جمشید گنہگار تھا۔ اُس کے گناہوں کا سبب اُس کی بیوی کی آزاد خیالی تھی جس کی محبت میں جمشید بھی دنیاداری میں کھو گیا تھا۔ جمشید کی بیوی کو تو جہنم میں جانے کا فیصلہ سنا دیا گیا تھا البتہ اللہ نے اپنی رحمتِ خاص سے جمشید کو معاف کر دیا اور وہ میدانِ حشر میں حوضِ کوثر کے پاس اپنے والدین سے آملا۔ جمشید کی والدہ ناعمہ کو اب فکر لاحق ہوئی کہ میں جمشید کے لئے دلہن تلاش کروں۔ وہ دلہن تلاش کرنے میدانِ حشر میں نکل کھڑی ہوئیں۔ اُس روز کیونکہ سب ہی کو جوان کر دیا گیا تھا، لہٰذا ایک جوان عورت میدانِ حشر میں ہونے

والی بہو کی تلاش میں ماری ماری پھر رہی ہے۔ اِس سلسلہ میں کیا پیش رفت ہوئی ملاحظہ فرمائیے۔ عبداللہ بیان کرتا ہے:

''میں اسی حال میں تھا کہ صالح نے میرے کان میں سرگوشی کی:

''ناعمہ بڑی شدت سے تمہیں ڈھونڈ رہی ہے۔

''خیریت؟'' میں نے دریافت کیا۔

''بڑا دلچسپ معاملہ ہے۔ بہتر ہے تم چلے چلو۔''

یہ کہہ کر صالح نے میرا ہاتھ پکڑا اور تھوڑی ہی دیر میں ہم ناعمہ کے پاس کھڑے تھے۔ مگر مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ ناعمہ کے ساتھ ایک بہت خوبصورت پری پیکر لڑکی کھڑی ہوئی تھی۔ میں نے اپنی یادداشت پر بہت زور ڈالا مگر میں اسے پہچان نہ سکا۔

ناعمہ نے خود ہی اس کا تعارف کرایا:

''یہ امورہ ہیں۔ ان کا تعلق حضرت نوحؑ کی امت سے ہے۔ یہ مجھے یہیں پر ملی ہیں۔ یہ آخری نبی یا ان کے کسی نمایاں امتی سے ملنے کی خواہشمند تھیں۔ نبی ﷺ تک تو میں انہیں نہیں لے جاسکتی تھی۔ البتہ میں نے سوچا کہ آپ سے انہیں ملوادوں۔ آخر آپ بھی بڑے نمایاں لوگوں میں سے ہیں۔''

یہ کہہ کر وہ امورہ سے میرا تعارف کرانے لگی۔ اس تعارف میں زمین آسمان کے جو قلابے وہ ملاسکتی تھی، اس نے ملائے۔ میں نے بیچ میں مداخلت کر کے ناعمہ کو روکا اور کہا:

''ناعمہ میری بیوی ہیں۔ اس وجہ سے میرے بارے میں کچھ مبالغہ آمیز گفتگو کر رہی ہیں۔ البتہ ان کی یہ بات ٹھیک ہے کہ میں آپ کو اس امت کے نمایاں لوگوں بلکہ اپنے نبی سے بھی ملوادوں گا۔''

ناعمہ کو میری بات کچھ زیادہ پسند نہیں آئی۔ وہ جھنجھلا کر بولی:

''اگر میں مبالغہ کر رہی ہوں تو بتائیں یہ صالح آپ کے ساتھ کیوں رہتے ہیں اور یہ آپ کو کہاں کہاں لے کر جاتے ہیں؟''

میں نے جھگڑا ختم کرنے کے لیے کہا:

''اچھا چلو میں نے ہار مانی لیکن پہلے امورہ سے تفصیلی تعارف تو ہولینے دو۔''

امورہ ہنستے ہوئے بولی:

''انسان ہزاروں برس میں بھی نہیں بدلے بلکہ دوبارہ زندہ ہو کر بھی ویسے ہی ہیں۔ آپ دونوں ویسے ہی جھگڑا کر رہے ہیں جیسے میرے اماں ابا کرتے تھے۔''

''ان کے اماں ابا سے بھی میری ملاقات ہوئی ہے۔''

ناعمہ بیچ میں بولی، مگر یہ اس کا اگلا خوشی سے بھرپور جملہ تھا جس سے مجھے اندازہ ہوا کہ وہ امورہ سے مل کر اتنا خوش کیوں ہے اور کیوں اس نے مجھے میدان حشر سے واپس بلوایا ہے۔

''امورہ کے شوہر نہیں ہیں۔''

میرے اندازے کی تصدیق صالح نے کردی۔ وہ میرے کان میں بولا:

''ناعمہ نے تمہاری ہونے والی بہو سے ملوانے کے لیے تمہیں بلایا ہے۔''

میرا اندازہ بالکل درست تھا۔ ناعمہ جمشید کے لیے دلہن ڈھونڈ رہی تھی اور آخر کار اسے اس کوشش میں اس حد تک کامیابی ہوچکی تھی کہ لڑکی اسے پسند آ گئی تھی۔ مگر لڑکے لڑکی نے ایک دوسرے کو پسند کیا یا دیکھا بھی ہے یہ مجھے علم نہیں تھا۔ مگر ناعمہ کو اس سے کوئی زیادہ فرق بھی نہیں پڑتا تھا۔ اس کے خیال میں اس کا راضی ہوجانا ہی اس رشتے کے لیے کافی تھا۔

میں نے دریافت کیا:

''امورہ آپ کے شوہر کہاں ہیں؟''

امورہ نے شرما کر کہا:

''دنیا میں صرف 15 سال کی عمر میں میرا انتقال ہوگیا تھا۔ میں بچپن سے ہی بہت بیمار رہتی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت نے اس کا یہ بدلہ دیا کہ بغیر کسی حساب کتاب کے شروع ہی میں میرے لیے جنت کا فیصلہ ہوگیا۔''

''اور باقی فیصلے تمہاری ہونے والی ساس کر رہی ہیں''، میں نے دل ہی دل میں سوچا۔

صالح کے چہرے پر بھی مسکراہٹ آ گئی۔ پھر امورہ بولی:

''مجھے آپ لوگوں سے مل کر بہت خوشی ہوئی ہے۔ جنت میں بھی ہم ملتے رہا کریں گے۔ اچھا اب میں چلتی ہوں۔ میرے اماں ابا مجھے ڈھونڈ رہے ہوں گے۔''

ناعمہ بھی اس کے ساتھ جانے کے لیے مڑی تو میں نے کہا:

''ٹھہرو مجھے تم سے کچھ کام ہے۔''

ناعمہ نے امورہ سے کہا:

''تم وہیں رکو جہاں ہم ملے تھے۔ میں ابھی آتی ہوں۔''

میں نے مذاق میں ناعمہ سے کہا:

''امورہ سے اس کا موبائل نمبر لے لو، اس رش میں کہاں ڈھونڈتی پھرو گی۔''

''یہ موبائل کیا ہوتا ہے؟''، امورہ نے قدرے حیرانی سے پوچھا۔

''یہ ایک ایسی بلا کا نام ہے، جس کے بعد تم ناعمہ سے بچ نہیں سکتیں''، میں نے جواب دیا۔ صالح نے بیچ میں دخل دیتے ہوئے کہا:

''میرا خیال ہے کہ امورہ اپنی منزل تک پہنچ نہیں سکے گی، میں اسے پہنچا کر آتا ہوں۔'' (صفحات: 204 تا 207)

غور کیجیے کس طرح نامحرم لڑکی سے عبداللہ جیسا پارسا انسان میدان حشر میں نہ صرف محوِ گفتگو ہے بلکہ دونوں باہم ہنسی مذاق بھی کر رہے ہیں۔ امورہ بھی اپنی شادی کے لئے کس طرح بے دھڑک اپنی ہونے والی ساس ناعمہ کے ساتھ عبداللہ کو انٹرویو دینے حاضر ہو گئی ہے۔ کیا نیک خواتین کا یہی کردار ہے؟ عبداللہ تو دنیا میں بھی نامحرم خواتین کو تبلیغ کرتا رہا ہے۔ اُس کی بیٹی لیلیٰ کی سہیلی عاصمہ احکاماتِ شریعت کی باغی تھی۔ عبداللہ میدانِ حشر میں عاصمہ کو دنیا میں کی جانے والی اپنی نصیحت یوں یاد دلاتا ہے:

''تمہیں یاد ہے عاصمہ! جب تم لیلیٰ کے ساتھ پہلی دفعہ میرے گھر آئی تھیں تو میں نے تم سے کیا کہا تھا۔

''مجھے یاد ہے ابو آپ نے اس سے کیا کہا تھا''، عاصمہ کی جگہ لیلیٰ نے جواب دیا۔

''آپ نے کہا تھا کہ بیٹا تم میری بیٹی کی سہیلی ہو۔ دیکھو ایسی سہیلی بننا جو جنت میں بھی اس کے ساتھ رہے۔ ایسا نہ ہو کہ تم دونوں خدا کو ناراض کر دو اور کسی بری جگہ تم دونوں کو ساتھ رہنا پڑے۔ ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن تم دونوں ایک دوسرے کو الزام دو کہ تمہاری دوستی نے مجھے برباد کر دیا۔'' (صفحہ: 94)

گویا عبداللہ دنیا میں بھی شرعی پردہ کا اہتمام نہیں کرتا تھا لیکن پھر بھی وہ اللہ کے مقربین میں شامل ہے۔ غور کیجیے کیا تصورات پھیلائے جا رہے ہیں۔ سورۂ حشر کی آیات 16 اور 17 کی تفسیر میں امام قرطبیؒ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ایک حدیثِ مبارکہ نقل کی ہے جس میں بنی اسرائیل کے ایک ایسے زاہد شخص کی بربادی کی مثال بطورِ عبرت بیان کی گئی ہے جو ایک نامحرم عورت کو تبلیغ کرتے کرتے کئی جرائم کا ارتکاب کر بیٹھا تھا۔

4- جہاد و قتال سے صرفِ نظر:

جاوید احمد غامدی دین کی نصرت میں اعلیٰ ترین کام دعوتِ دین کو سمجھتے ہیں اور جہاد و قتال فی سبیل اللہ کی اہمیت سے باہتمام صرفِ نظر کرتے ہیں۔ اس ناول میں کہیں ایک جگہ بھی ذکر نہیں کہ جنت کے اونچے درجات اُن لوگوں کو ملنے ہیں جو قتال فی سبیل اللہ کی سعادت حاصل کرتے رہے۔ قرآنِ کریم تو اللہ کی راہ میں قتال کرنے والوں کو اللہ کا محبوب قرار دیتا ہے اور شہداء کو شہادت کے فوراً بعد جنت میں جانے کی بشارت دیتا ہے لیکن ناول میں کہیں بھی اس کا ذکر نہیں۔ تاتاریوں کے ہاتھوں خلافتِ بنی عباس کے خاتمہ کا ذکر کرنے کے بعد صالح بیان کرتا ہے:

''اس سزا کے ساتھ جب کبھی وہ توبہ اور رجوع کرتے تو ان پر حکومت و انعامات کے دروازے کھل جاتے۔ اس کی ایک مثال وہ تھی جب تاتاریوں کے ہاتھوں مکمل تباہی کے بعد مسلمانوں نے ان تک اسلام کا پیغام پہنچایا تو تھوڑے ہی عرصے میں برباد شدہ مسلمان دوبارہ دنیا کی

عظیم سپر پاور بن گئے۔'' (صفحہ:133)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسلمان سلطنتِ عثمانیہ کی صورت میں سپر پاور صرف تبلیغِ اسلام کے ذریعہ بنے تھے یا اُنہوں نے اِس کے لئے جہاد وقتال کا شرف بھی حاصل کیا تھا؟

ایک اور موقع پر صالح عبداللہ کی بیوی ناعمہ کو بتاتا ہے کہ:

''اب آخر میں سارے انبیا اور شہدا پیش ہوں گے۔

''کیا شہید وہ لوگ ہیں جو اللہ کی راہ میں قتل ہوئے؟''، ناعمہ نے صالح سے سوال کیا۔

''نہیں یہ وہ شہداء نہیں۔ وہ بھی بڑے اعلیٰ اجر کے حقدار ہوئے ہیں۔ مگر یہ شہداءِ حق کی گواہی دینے والے لوگ ہیں۔ یعنی انہوں نے انسانیت پر اللہ کے دین کی گواہی کے لیے اپنی زندگی وقف کر دی تھی۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے انبیا کے بعد ان کی دعوت کو آگے پہنچایا۔'' (صفحہ:210)

ایک اور مقام پر صالح عبداللہ سے کہتا ہے:

''چلو اب کوثر کے VVIP لانج میں چلتے ہیں۔''

میں نے اس کی بات پر کوئی تبصرہ نہیں کیا، مگر مجھے اندازہ تھا کہ صالح کیا کہہ رہا ہے۔ تاہم اس نے اپنی بات کی وضاحت خود ہی کر دی:

''آخرت کی کامیابی حاصل کرنے والوں کے دو درجات ہیں۔ ایک وہ جنہوں نے دین کو فرائض و واجبات کے درجے میں اختیار کیا۔ بندوں اور خالق کے حقوق ادا کیے اور خدا کے ہر ہر حکم کی پابندی کی۔ یہی لوگ جنت کی کامیابی حاصل کرنے والے ہیں۔ ان میں سے کچھ لوگ وہ تھے جنہوں نے فرائض سے بڑھ کر قربانی کے مقام پر دین کو اختیار کیا۔ بدترین حالات اور مشکل ترین مواقع پر صبر و استقامت کا ثبوت دیا۔ نیکی اور خیر کے ہر کام میں سبقت اختیار کی۔ ہر حال میں حق کو اختیار کیا اور اس کے لیے ہر قیمت دی۔ خدا کے دین کی نصرت، اس کی نفل عبادت، اس کے بندوں پر خرچ اور ان کی خدمت کو اپنی زندگی بنا لیا۔ یہی وہ لوگ ہیں جو آج آخرت کے دن VIPs میں شامل کیے جائیں گے۔ ان کی نعمتیں، ان کے درجات، خدا سے ان کا قرب اور ان کا مقام و مرتبہ ہر چیز عام جنتیوں سے کہیں زیادہ ہے۔'' (صفحات:135-134)

اِس مقام پر بھی اہلِ جنت کے بلند درجہ حاصل کرنے والوں میں جہاد وقتال کرنے والے سرفروشوں کے ذکر سے صرفِ نظر کیا گیا ہے۔

5- سلف صالحین سے تعلق توڑنے کی ترغیب:

ایک موقع پر حضرت ابوبکر صدیقؓ عبداللہ کو بتاتے ہیں کہ تمہیں تمہارے زمانے کے تمام لوگوں میں بلند درجہ دینے کی وجہ کیا ہے:

''دیکھو عبداللہ اس مجمع میں ہر شخص کا انتخاب اللہ تعالیٰ نے کیا ہے۔ جانتے ہو کہ اس کے نزدیک انتخاب کا معیار کیا ہے؟

میں خاموشی سے ان کی شکل دیکھنے لگا۔ انہوں نے اپنے سوال کا خود ہی جواب دیا:

''تعصّبات، جذبات اور خواہشات سے بلند ہو کر جس شخص نے حق کو اپنا مسئلہ بنا لیا، اور توحید و آخرت کو اپنی زندگی کا مشن بنا لیا وہی اللہ کے نزدیک اس شہادت کے کام کے سب سے زیادہ حقدار ہیں۔ دیکھو تمہارے زمانے کے مذہبی لوگ خواہشات سے تو شاید بلند ہو گئے تھے، مگر ان کی اکثریت تعصّبات اور جذبات سے بلند نہیں ہو سکی۔ لوگ مختلف فرقوں اور مسالک کے اسیر تھے۔ وہ صرف اسی بات کو قبول کرتے تھے جو ان کے حلقے کے لوگ کریں۔ وہ لوگوں کو اپنے ہی فرقے کی طرف بلاتے تھے۔ وہ اپنے اکابرین کی بڑائی کے احساس میں جیا کرتے تھے۔ جبکہ تم صرف خدا کی بڑائی کے احساس میں زندہ رہے۔ تم نے سچائی کو ہر قیمت دے کر قبول کیا اور ہر تعصب سے پاک ہو کر اختیار کیا۔ خدا کی توحید تمہاری زندگی کا سب سے بڑا مسئلہ تھی اور خدا سے ملاقات پر لوگوں کو تیار کرنا تمہاری زندگی کا سب سے بڑا مقصد۔ پھر تم نے دعوت کا کام صرف اپنی قوم ہی میں نہیں کیا بلکہ غیر مسلم اقوام تک قرآن کا پیغامِ توحید و آخرت پہنچانے کے لیے ایک طویل دعوتی جدوجہد کی۔ یہی ساری باتیں آج تمہارے انتخاب کا سبب بن گئی ہیں۔'' (صفحہ:151)

غور کیجئے کہ مسلک پرستی کی مذمت کی آڑ میں سلف صالحین سے تعلق اور ان کی پیروی کی بھی نفی کر کے براہ راست خدا پرستی کی ترغیب دی گئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خدا پرستی ہوتی ہی سلف صالحین کی پیروی سے ہے۔ ارشاداتِ باری تعالیٰ ہیں:

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿﴾ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ﴿﴾

'' ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت عطا فرما۔ اُن لوگوں کے راستے کی جن پر تو نے انعام کیا ہے۔'' (الفاتحہ آیات:5،6)

وَاتَّبِعۡ سَبِيۡلَ مَنۡ اَنَابَ اِلَيَّ

’’اور پیروی کرو اُس کے راستے کی جو کہ رجوع ہوا میری طرف۔‘‘ (لقمان آیت:15)

وَاتَّبَعۡتُ مِلَّةَ اٰبَآءِ یٓ اِبۡرٰهِيۡمَ وَاِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ

’’اور (یوسفؑ فرماتے ہیں) میں نے پیروی کی اپنے آباء واجداد ابراہیمؑ اور اسحاقؑ اور یعقوبؑ کے راستے کی۔‘‘ (یوسف آیت:38)

6- غیر سنجیدہ حرکات کی حوصلہ افزائی:

میدان حشر میں مصنف کے نزدیک عام نیک لوگوں کو جنت میں جانے کا پروانہ پہلے ہی دے دیا جائے گا اور مقربین کو بعد میں۔ مقربین کو جب بغیر حساب جنت میں داخلہ کی بشارت دی جائے گی تو دیگر اہلِ جنت خوشی سے بے قابو ہو کر غیر سنجیدہ حرکات کریں گے۔ عبداللہ بیان کرتا ہے کہ:

’’جس وقت کوئی شخص پیش ہوتا، اس کے زمانے کے سارے حالات، اس کے مخاطبین کی تفصیلات، لوگوں کا ردِعمل اور اس کی جدوجہد ہر چیز کو تفصیل سے بیان کیا جاتا۔ سامعین یہ سب سنتے اور اسے داد دیتے۔ آخر میں جب اس کی کامیابی اور سرفرازی کا اعلان ہوتا تو مرحبا اور ماشاءاللہ کے نعروں سے فضا گونج اٹھتی۔ بعض اہلِ جنت تالیاں بجاتے، بعض اٹھ کر رقص کرنے لگتے اور بعض سیٹیاں اور چیخیں مار کر اپنی خوشی کا اظہار کرتے۔‘‘ (صفحہ:214)

قرآنِ مجید تو بیان کرتا ہے کہ جنت والے اللہ کی حمد وثناء کر رہے ہوں گے لیکن مصنف کے نزدیک خوشی کے موقع پر اہلِ جنت کا طرزِ عمل انتہائی غیر سنجیدہ ہوگا۔ گویا اس دنیا میں بھی اگر خوشی کے موقع پر بھی چھچھوری حرکات کی جائیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ وقار کے منافی حرکات کر کے بھی جنت حاصل کی جاسکتی ہے۔

7- دھوم دھام سے شادی کی ترغیب:

جب عبداللہ اور اس کی بیوی ناعمہ جنت میں پہنچ جائیں گے تو اُن کے بچے جمشید، انور، لیلیٰ، عالیہ اور عارفہ جنت میں اُن کی دوبارہ شادی کریں گے لیکن پوری تیاری اور دھوم دھام سے۔ عبداللہ بیان کرتا ہے کہ ناعمہ اپنے بچوں سے کہتی ہے کہ:

’’یہ کیا بچپنے والی بات تم لوگ کر رہے ہو کہ ہماری دوبارہ شادی ہوگی؟‘‘

عالیہ نے کہا:

’’امی پچھلی دنیا میں ہم میں سے کوئی بھی آپ کی شادی میں موجود نہیں تھا۔ اس لیے ہم سب بہن بھائیوں کی متفقہ رائے ہے کہ ہم آپ لوگوں کی شادی بڑے دھوم دھام سے کریں گے۔ ہم آپ کو خود دلہن بنا کر رخصت کریں گے اور اس وقت تک آپ کا ابو سے پردہ ہوگا۔

انور نے مداخلت کرتے ہوئے کہا:

’’پردے والی بات تو بڑی سخت ہے۔ بس اتنی شرط لگا دو کہ تنہائی میں نہیں ملیں گے۔‘‘

’’اس مہربانی کا بہت شکریہ۔ یہ بتا دو کہ شادی کب ہوگی؟‘‘، میں نے بے بسی سے پوچھا۔

’’جب تیاریاں ہو جائیں گی‘‘، عارفہ نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

’’اور کیا تیاریاں ہوں گی‘‘، میں نے دریافت کیا۔

’’میں بتاتی ہوں‘‘، لیلیٰ بولی۔

’’جگہ تو یہی ٹھیک ہے۔ بس کپڑے، زیورات وغیرہ کا انتظام کرنا ہے۔‘‘

’’اور مجھے بھی اپنے ذرا اچھے کپڑے بنوانے ہیں، ابو جیسے۔ مجھے تو ابو کے کپڑے دیکھنے کے بعد اپنے کپڑے اچھے ہی نہیں لگ رہے‘‘، جمشید نے بھی مطالبات میں اپنا حصہ ڈالا۔

’’اچھا یہ سب تیاریاں ہوگئیں تو شادی ہو جائے گی؟‘‘، میں نے پوچھا۔

’’کیوں نہیں‘‘، سب نے مل کر کہا۔

’’چلو پھر ابھی ہی چلو۔ میں تمہیں جنت کے سب سے بڑے شاپنگ کے علاقے میں لے چلتا ہوں۔ ویسے تو تم لوگ وہاں گھس بھی نہیں سکتے، لیکن میری

طرف سے جو دل چاہے آج شاپنگ کر لو۔''

اس پر سارے بچوں نے خوشی کا ایک نعرہ لگایا۔ پھر ہم شاپنگ کے لیے روانہ ہو گئے۔'' (صفحات: 253،254)

جب جنت میں دھوم دھام سے شادی ہو گی تو پھر دنیا میں بھی ایسا اسراف کرنے میں کیا حرج ہے۔ پھر دیکھا آپ نے جنت میں بھی دنیا کی طرز کے شاپنگ سینٹر موجود ہیں۔

8- موسیقی جائز ہے؟

صاحبِ کتاب کا دعویٰ ہے کہ یہ کتاب قرآن وسنت سے حاصل شدہ رہنمائی کی بنیاد پر لکھی گئی ہے لیکن حقیقت اِس کے برعکس ہے اور مصنف کا دعویٰ خلافِ واقعہ ہے۔ ملاحظہ فرمائیے کہ جنت میں کھانا کھانے کا نقشہ عبداللہ کس طرح کھینچ رہا ہے:

''تاروں کی دودھیا روشنی اور ٹھنڈی ہوا میں کھانے کی اشتہا انگیز خوشبو نے فضا کو بے حد مؤثر بنا رکھا تھا۔ بازار کی طرح یہاں بھی پس منظر میں دھیمی سی موسیقی چل رہی تھی۔ کھانے کی اتنی ورائٹی تھی کہ کسی کو سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کھائیں۔ جو چیز لیتے وہ اتنی لذیذ ہوتی کہ چھوڑنے کا دل ہی نہیں چاہتا تھا۔ مگر شکر خدا کا کہ یہاں پیٹ بھرنے کا کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا جس کی بنا پر جب تک دل چاہتا رہا ہم لوگ بیٹھ کر کھاتے رہے۔'' (صفحہ:255)

اِس کے بعد عبداللہ جنت کے بازار کا نقشہ یوں بیان کرتا ہے:

''وسیع وعریض رقبے پر پھیلا ہوا یہ بازار اپنے اندر ہر قسم کی دکانیں لیے ہوئے تھا۔ ملبوسات، فیشن، جوتے، آرائش، تحائف اور نجانے کتنی ہی دیگر چیزوں کی دکانیں یہاں تھیں۔ ہر دکان اتنی بڑی تھی کہ کئی گھنٹوں میں بھی نہیں دیکھی جا سکتی تھی۔ دنیا کا بڑے سے بڑا شاپنگ سنٹر بھی ان دکانوں کے سامنے کچھ نہ تھا۔ لیکن یہاں کی اصل کشش یہ دکانیں نہیں بلکہ وہ مسحور کن ماحول تھا جو ہر سو چھایا ہوا تھا۔ دل ودماغ کو اپنی طرف کھینچتی چیزوں سے بھری دکانیں، ان میں جگمگ جگمگ کرتی روشنیاں، معطر فضا، خنک ہوا، دھیمی دھیمی موسیقی، خوبصورت فوارے، رنگ ونور کی ہزار ہا صناعیاں، طرح طرح کے دیگر ڈیزائنز، دلکش مناظر اور حسین ترین لوگوں کی چہل پہل؛ سب مل کر ایک انتہائی متاثر کن ماحول پیدا کر رہے تھے۔ یہاں کا ماحول آنے والوں کی دیکھنے، سننے، سونگھنے اور دوسری ہر اس قوت پر جس سے اس کا ذہن کوئی تاثر قبول کرتا ہے اس طرح حملہ کر رہا تھا کہ اسے گنگ کر دیتا۔ دوسروں کے لیے یہ جگہ خریداری کی جگہ تھی جب کہ میرے لیے یہ ذوقِ جمال کی تسکین کا ایک اعلیٰ ذریعہ تھی۔ مگر اُس وقت ناعمہ کے قرب نے یہاں کے ہر رنگ کو میری نظر میں پھیکا کر دیا تھا۔'' (صفحہ:256)

نوٹ فرمائیے بازار میں دلکش مناظر اور حسین ترین لوگوں کی چہل پہل سے مصنف کس قسم کی معاشرت کے لیے جواز پیدا کرنا چاہتے ہیں۔

9- مخلوط محافل کی اجازت:

عبداللہ جنت میں اللہ کی طرف سے جنتیوں کے لئے ایک دعوت کا ذکر کرتا ہے۔ اِس دعوت کے میزبان ہیں حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور نبی اکرم ﷺ۔ اللہ اور انبیاءؑ کی طرف فرضی باتیں منسوب کرنا ایک بہت بڑی جسارت ہے۔ اب ذرا اِس دعوت میں برپا ہونے والی محفل کا رنگ ملاحظہ فرمائیے:

''زرق برق لباس پہنے حسین وجمیل نوجوان مرد اور عورتیں ہر سمت نظر آ رہے تھے۔ ان کے چہرے روشن، آنکھیں چمک دار، لبوں پر قہقہے اور مسکراہٹیں تھیں۔ یہ منظر دیکھ کر مجھے دنیا کی محفلیں یاد آ گئیں جہاں خواتین میک اپ کا تام جھام کیے، خدا کی حدود کو پامال کرتی اور اپنی زینت اور نسوانیت کی نمائش کرتی محفلوں میں شریک ہوا کرتی تھیں۔ مرد اپنی نگاہوں کو جھکانے کے بجائے اس نمائش سے اپنا حصہ وصول کرتے تھے۔ اپنی نمائش سے رکنے والی خواتین اور اپنی نگاہوں کو پھیرنے والے مردوں کو کتنی مشقت کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

مگر اب ساری مشقت ختم؛ میں نے دل میں سوچا یہ محفل حسین ترین خواتین سے بھری ہوئی تھی جن کے لباس اور زیورات اپنی خوبصورتی میں بے مثل اور ہر نظر کو خیرہ کرنے کے لیے بہت تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے قلوب اس طرح پاکیزہ کر دیے تھے کہ نگاہوں میں آلودگی اور دلوں میں خیانت کا تصور بھی نہیں رہا تھا۔ ہر مرد اور ہر عورت خوبصورتی مگر پاکیزگی کے احساس میں زندہ تھا۔ اب اپنی زینت کے اخفا کا کوئی حکم تھا اور نہ نگاہوں کو پھیرنے کی کوئی پابندی تھی۔ کتنی تھوڑی تھی وہ مشقت اور کتنا زیادہ ہے یہ بدلہ۔'' (صفحہ:258)

قرآنِ حکیم جنت کی خواتین کا نقشہ اِس طرح کھینچتا ہے:

وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ

"اوراُن کے پاس ہوں گی نیچی نگاہوں والی عورتیں جواُن کی ہم عمر ہوں گی۔" (ص آیت:52)

وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ ۞ كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ

"اوران کے پاس عورتیں ہوں گی نیچی نگاہوں والی۔ وہ اس طرح ہوں گی جیسے چھپائے جانے والے انڈے۔"

(صافات آیات:48،49)

وَحُوْرٌ عِيْنٌ ۞ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ

"اوران کے لئے بڑی آنکھوں والی حوریں ہوں گی۔ وہ چھپائے ہوئے موتیوں کی مانند ہوں گی۔" (واقعہ آیات:22،23)

حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِى الْخِيَامِ

"حوریں ہیں جو خیموں میں رکی ہوئی ہیں۔" (الرحمٰن آیت:72)

غورفرمائیے! مصنف صاحب نے اِن آیات کے برعکس جنتی خواتین کا کیا شوخ طرزِعمل پیش کیا ہے۔

10- نامحرم کو دوسری بار دیکھنے کا جواز:

میدانِ حشر اور جنت میں عبداللہ نے جو کچھ دیکھا وہ خواب تھا۔ عبداللہ نے یہ خواب حرم میں سوتے ہوئے دیکھا تھا۔ بیدار ہونے کے بعد اس نے ایک بزرگ کی رہنمائی کی اور اُنہیں ان کی بیٹی اور نواسی تک پہنچایا۔ نواسی کو دیکھا تو وہ بالکل ناعمہ کی طرح تھی جو خواب میں عبداللہ کی بیوی تھی۔ اس خاتون پر پہلی نظر پڑی تو عبداللہ نے نظریں جھکا لیں۔ اس کے بعد نانا نے تعارف کراتے ہوئے کہا:

"میرا نام اسماعیل ہے۔ یہ میری بیٹی آمنہ ہے۔

وہ ایک لمحہ کے لیے رکے اور اپنی نواسی کی طرف دیکھتے ہوئے محبت آمیز لہجہ میں بولے:

"اور یہ سب سے زیادہ تھکی ہوئی میری نواسی ہے۔ اس کا نام ناعمہ ہے۔"

عبداللہ کی شدید ترین خواہش تھی کہ ایک اجنبی نام اس کے کانوں تک پہنچے تاکہ وہ کچھ تو خود کو بہلا وادے سکے۔ مگر ناعمہ کا نام تابوت کی آخری کیل بن کر اس کے کانوں میں گونجا۔ اس دفعہ دنیا کی کوئی طاقت عبداللہ کو دوبارہ نظر اٹھانے سے نہیں روک سکی۔ اس کے سامنے واقعی ناعمہ کھڑی ہوئی تھی۔ وہ لڑکی جسے اس نے زندگی میں پہلی دفعہ جاگتی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ مگر جسے وہ رات خواب میں.....................

عبداللہ نے گھومتے ہوئے دماغ سے سوچا:

"اگر وہ خواب تھا تو یہ کیسی حقیقت تھی۔ یا اگر حقیقت ہے تو پھر وہ خواب............"

معاملہ عبداللہ کی برداشت سے زیادہ ہو چکا تھا۔ اسے آنے والے چکراب تیز ہوگئے۔ وہ ناعمہ کو دیکھتے ہوئے لہرایا اور بیہوش ہوکر زمین پر گر پڑا۔"

(صفحہ:271)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خوابوں کی دنیا سے باہر آنے کے بعد اب ایک نامحرم خاتون کو دیکھنا، پہلی نظر کے بعد دوسری بار بدنظری کرنا اور دیکھ کر تڑپتے ہوئے بیہوش ہوجانے کا بیان آخر کس مقصد کے لئے ہے؟ اِس صورتِ حال کے بیان سے کون سا پاکیزہ مقصد ہے جو مصنف حاصل کرنا چاہتا ہے، سوائے اس کے عام ڈراموں اور فلموں کی طرح قارئین کے جنسی جذبات کو مشتعل کرنا اور کہانی کا سنسنی خیز اختتام کرنا۔

11- تفسیری موشگافیاں:

i) صالح سے گفتگو کرتے ہوئے عبداللہ کہتا ہے:

"تم نے جو کچھ کہا ہے قرآن کریم کے بیانات سے مجھے اس کا پہلے ہی اندازہ تھا۔ قرآن کریم کے بیانات سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ زمین کے وارث خدا کے نیک بندے ہوں گے اور سطح زمین جنت میں بدل دی جائے گی جہاں اہل جنت کا ٹھکانہ ہوگا۔ زمین کے نیچ میں اہل جہنم ہوں گے۔ جبکہ آسمانوں

میں موجود ستارے اور کہکشائیں بطور انعام و بادشاہی اہل جنت میں تقسیم ہوں گے۔'' (صفحہ: 105)

مصنف نے یہاں تفسیری اعتبار سے دو موشگافیاں کی ہیں۔ پہلی یہ کہ فیصلہ کر دیا ہے کہ جنت اور جہنم دونوں زمین پر ہوں گی۔ مزید یہ کہ جنت اور جہنم موجود نہیں بلکہ انہیں وجود میں لایا جائے گا۔ جنت کے حوالے سے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی ﴿﴾ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی ﴿﴾ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰی ﴿﴾

''اور وہ تو ان کو دیکھ چکے ہیں ایک اور بار بھی۔ اس انتہائی بیری کے پاس۔ اسی کے پاس ہے وہ رہنے والی جنت۔'' (النجم آیات: 13 تا 15)

مفتی محمد شفیع صاحب اپنی تفسیر معارف القرآن میں مذکورہ بالا آیت 15 کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس آیت نے یہ بھی بتلا دیا کہ جنت اس وقت بھی موجود تھی، جیسا کہ جمہور امت کا عقیدہ یہی ہے کہ جنت و دوزخ قیامت کے بعد پیدا نہیں کی جائیں گی، یہ دونوں مقام اس وقت بھی موجود ہیں، اس آیت نے جنت کا محل وقوع بھی بتلا دیا کہ وہ ساتویں آسمان کے اوپر، عرش رحمٰن کے نیچے ہے، گویا ساتواں آسمان جنت کی زمین اور عرش رحمٰن اس کی چھت ہے، دوزخ کا محل وقوع کسی آیت قرآن یا روایت حدیث میں صراحۃً نہیں بتلایا۔''

جنت کے آسمان کے اوپر ہونے کی دلیل یہ آیت بھی ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَاسْتَکْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰی یَلِجَ الْجَمَلُ فِیْ سَمِّ الْخِیَاطِ ؕ وَکَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُجْرِمِیْنَ ﴿﴾

''جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان سے تکبر کیا، اُن کے لئے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے اور وہ لوگ کبھی جنت میں نہ جائیں گے جب تک کہ اونٹ سوئی کے ناکہ کے اندر سے نہ چلا جائے اور ہم مجرموں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔'' (الاعراف آیت: 40)

ii) صالح عبداللہ کو عہدِ الست کے حوالے سے بتاتا ہے کہ:

''ہاں مگر اس سے قبل اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کے سامنے یہ موقع رکھا تھا کہ وہ جنت میں اللہ تعالیٰ کی ابدی رفاقت کا شرف حاصل کر لیں۔ لیکن اس کے لیے انہیں دنیا میں کچھ وقت ایسے گزارنا ہوگا کہ خدا ان کے سامنے نہیں ہوگا۔ صرف اس کے احکام ان کے سامنے آئیں گے اور انہیں بن دیکھے رب کی عبادت اور اطاعت کا راستہ اختیار کرنا ہوگا۔ زمین کی بادشاہی عارضی طور پر امانتاً اس مخلوق کو دے دی جائے گی اور اپنی بادشاہی کے زمانے میں اس مخلوق کو اپنے بارے میں یہ ثابت کرنا ہوگا کہ وہ صاحب اختیار بادشاہ ہونے کے باوجود بن دیکھے خدا کی اطاعت کے لیے تیار ہے۔ جس کسی نے اقتدار اور اختیار کی اس امانت کا درست استعمال کیا اس کا بدلہ جنت میں خدا کی ابدی رفاقت ہوگی اور ناکامی کی صورت میں جہنم کا عذاب۔''

''تو پھر کیا ہوا؟''

''یہ ہوا کہ ساری مخلوقات ڈر کے پیچھے ہٹ گئیں۔ اس لیے کہ جنت جتنی حسین ہے، جہنم اتنی ہی بھیانک جگہ ہے۔ حشر کی سختی کو تو ابھی تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اس کے بعد کون عقل مند اس امتحان میں کودنے کی کوشش کرتا۔''

''اور غالباً ہم جذباتی انسان اس امتحان میں کود پڑے''، میں نے لقمہ دیا۔

''ہاں یہی ہوا تھا۔ لیکن خدائی امانت اٹھانے کا یہ عزم روح انسانی نے اجتماعی طور پر کیا تھا۔ اس لیے خدا کے عدل کا تقاضا یہ تھا کہ ہر ہر انسان کو پیدا کر کے براہ راست اس سے یہ معلوم کیا جائے کہ وہ کس حد تک اس امتحان میں اترنے کے لیے تیار ہے۔

عبداللہ! یہ اس لیے ہوا کہ تمہارا رب کسی پر رائی کے دانے کے برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔ سو اس نے سب انسانوں کو پیدا کیا۔ سب کے سامنے اپنے پورے منصوبے کو رکھا۔ ظاہر ہے انسانوں کی اکثریت پہلے ہی اس مقصد کے لیے تیار تھی۔ اسی لیے وہ پورے شعور کے ساتھ اس امتحان میں کودنے کے لیے تیار ہو گئے۔ البتہ جن لوگوں نے یہ خطرہ مول لینے سے انکار کر دیا، ان سب کے بارے میں یہ فیصلہ ہوا کہ انہیں سن بلوغت تک پہنچنے سے قبل ہی مر جانے والے بچوں اور بچیوں کا کردار سونپ دیا جائے۔ یہی بچیاں اور بچے جنت کی بستی میں حور و غلمان بنا دیے جائیں گے۔'' (صفحات: 79، 80)

مصنف نے عہدِ الست کے حوالے سے تفسیر کرتے ہوئے جو تحریر کیا ہے اللہ نے ہر ہر انسان سے علیحدہ علیحدہ دریافت کیا کیا وہ اللہ کا عہد قبول کرنے کو تیار ہے۔ اب انسان کے پاس اختیار تھا کہ قبول کرے یا نہ کرے۔ یہ مصنف کی خود ساختہ رائے ہے جسے قرآن، حدیث یا اسلاف کی آراء میں سے کسی کی بھی سند حاصل نہیں ہے۔

(iii) مصنف کے نزدیک نبوت وہبی نہیں بلکہ کسبی شے ہے۔جن انسانوں نے اپنے اختیار سے امتحان کا سخت پرچہ چنا، اُنہیں اللہ نے نبی بنا دیا۔ یہ ایک ایسا گمراہ کن نظریہ ہے جو اجماعِ امت کے خلاف ہے۔عبداللہ کے ایک سوال کے جواب میں صالح کہتا ہے:

''ہاں، مگر اس میں بھی خدا کی کریم ہستی نے کمال عنایت کا مظاہرہ کیا تھا۔تم جانتے ہو کہ دنیا میں سب کا امتحان یکساں نہیں ہوتا۔ یہ امتحان بھی اس روز ہر شخص نے اپنی مرضی سے چن لیا تھا۔ جو بہت زیادہ حوصلہ مند لوگ تھے انہوں نے نبیوں کا زمانہ چن لیا۔ان لوگوں کا امتحان یہ تھا کہ ہر سو پھیلی گمراہی کے دور میں انبیا کی تصدیق کر کے ان کا ساتھ دیں۔ان کی کامیابی کے لیے اصل شرط یہ تھی کہ بدترین مخالفت میں بھی ثابت قدم رہیں، اس راہ میں ہر مشکل کو برداشت کریں اور انبیا کا پیغام آگے پہنچائیں۔اس لیے ان کا اجر بھی بڑا رکھا گیا، مگر انہیں انبیا کی براہ راست رہنمائی کی سہولت کی بنا پر کفر وانکار کی صورت میں عذاب بھی اتنا ہی شدید ہوتا۔انہی لوگوں میں ایک طرف حضرت ابوبکرؓ جیسے لوگ تھے اور دوسری طرف ابولہب جیسے دشمنانِ حق۔

آزمائش کی دوسری سطح وہ تھی جس میں لوگوں نے امت مسلمہ اور نبیوں کے بعد ان کی امت میں شامل ہونے کا پرچ امتحان چنا۔ان لوگوں کا امتحان یہ تھا کہ بعد کے زمانے میں پیدا ہونے والی گمراہیوں، فرقہ واریت، بدعت اور غفلت سے بچ کر شریعت کے تقاضوں کو ہر حال میں نبھاتے رہیں اور معاشرے کے خیر وشر سے لاتعلق ہونے کے بجائے لوگوں میں نیکی کو پھیلائیں اور انہیں برائی سے روکیں۔ یہ ذمہ داریاں ان پر اس لیے عائد کی گئیں کہ ان کے پاس انبیا کی تعلیمات تھیں اور وہ پیدائشی مسلمان تھے جنھیں قبول اسلام کے لیے کسی کڑی آزمائش سے نہیں گزرنا پڑا۔اس کا مطلب یہ تھا کہ عام انسانوں کے مقابلے میں ان کی رہنمائی زیادہ کی گئی، انھیں زیادہ اجر کمانے کے مواقع دیے گئے، لیکن غفلت کی صورت میں ان کا حساب کتاب اتنا ہی سخت ہونا طے پایا۔''

''میرا اور دیگر مسلمانوں کا تعلق اسی گروہ سے تھا نا؟''

''ہاں تم ٹھیک سمجھے۔ تیسرا گروہ ان لوگوں کا تھا جنھوں نے اپنا پرچہ امتحان بہت سادہ رکھا۔ یہ سارے لوگ نبیوں کی براہ راست رہنمائی کے بغیر پیدا کیے گئے اور ان کا پرچ امتحان فطرت میں موجود ربانی ہدایت تھی۔یعنی توحید اور اخلاق کا امتحان۔انہیں عام مسلمانوں کی طرح نہ شریعت کے امتحان میں ڈالا گیا نہ نبیوں کی رفاقت کے کڑے امتحان میں۔ظاہر ہے کہ ان کا حساب کتاب سب سے ہلکا ہوگا، ان کے لیے شدید عذاب کا اندیشہ بھی کم ہے اور اجر کے مواقع بھی اسی تناسب سے کم ہیں۔''

''اور انبیا کا معاملہ کیا تھا؟''

''انہوں نے امتحان کا سب سے سخت پرچہ چنا۔اس لیے ان کی رہنمائی براہِ راست اللہ تعالی کی طرف سے کی گئی اور اسی لیے ان کے احتساب کا معیار بھی سب سے زیادہ سخت تھا۔تمھیں تو معلوم ہے کہ حضرت یونسؑ کے ساتھ کیا ہوا تھا۔انہوں نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا۔صرف ایک اجتہاد تھا۔لیکن دیکھو ان کو کس طرح اللہ تعالی نے مچھلی کے پیٹ میں بند کر دیا۔''

پھر اس نے اس طویل گفتگو کا خلاصہ کرتے ہوئے کہا:

''اصل اصول جو تمام اقسام کے گروہوں میں کام کر رہا ہے وہ ایک ہی ہے۔زیادہ رہنمائی، زیادہ سخت حساب کتاب اور زیادہ بڑی سزا جزا۔کم رہنمائی، ہلکا حساب کتاب، کم سزا جزا۔مگر کسی انسان کا تعلق کس گروہ سے ہے اس کا انتخاب انسانوں نے خود کیا ہے۔اللہ تعالی نے نہیں۔''(صفحات:80، 81)

دردمندانہ گذارش:

اِس تحریر کے ذریعہ واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ مصنف نے روزِ قیامت ظہور میں آنے والے ہولناک اور دلکش مناظر کی دلچسپ نقشہ کشی کرتے ہوئے کس طرح گمراہ کن تصورات ذہنوں میں ڈالنے کی مذموم کوشش کی ہے۔بہت سے سادہ لوح حضرات وخواتین نے مصنف کی چالاکی کو سمجھے بغیر اس کتاب کو بڑے پیمانے پر پھیلایا ہے۔اُنہیں چاہیے کہ:

1- اپنی اِس تقصیر پر گڑگڑا کر اللہ کی بارگاہ میں توبہ کریں اور معافی مانگیں۔

2- جن لوگوں تک یہ کتاب پہنچائی ہے اُنہیں اس کتاب میں موجود گمراہیوں سے آگاہ کریں۔

3- آئندہ کے لیے عہد کریں کہ وہ کسی گمنام یا غیر معتبر مصنف کی کتاب نہیں پڑھیں گے جب تک کسی معتبر ذریعہ سے مصنف اور کتاب کے مضامین کی درستگی کی تصدیق نہ کرلیں۔